

## عمر کے چالیس سالوں میں ’علم و فکر‘ کے ارتقائی ادوار

مولانا سید عبدالوہاب شیرازی

انسان جب دنیا میں آتا ہے سب سے پہلے اُسے صرف اتنا علم ہوتا ہے کہ ماں کی چھاتی سے دودھ کیسے پینا ہے، دنیا میں آ کر اُسے کوئی نہیں سکھاتا اور نہ ہی سکھانا ممکن ہوتا ہے، بلکہ پیدائش کے فوراً بعد اسی دن وہ ایسے دودھ پینا شروع کر دیتا ہے جیسے اسے اچھا خاصا تجربہ ہے۔ یہ اللہ کی ذات ہے جو اُسے یہ علم و تجربہ دے کر اس دنیا میں بھیجتی ہے، اللہ اکبر۔

اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ انسان عمر کے جس حصے میں ہوتا ہے اپنے آپ اور اپنی سوچ و فکر اور علم کو کامل و مکمل سمجھتا ہے، یہی وجہ ہے کہ اس کے دوسروں سے جھگڑے ہوتے ہیں۔ اگر کوئی انسان یہ سمجھے کہ میری معلومات ناقص ہیں تو کبھی بھی جھگڑا پیدا ہی نہ ہو۔

اللہ تعالیٰ نے سورۃ الحدید کی آیت نمبر: ۲۰ میں ایک انسان کی زندگی میں اس کی فکر، سوچ، علم اور ترجیحات کے مراحل کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

’اَعْلَمُوا أَنَّمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَلَهُمْ زِينَةٌ وَتَفَاخُرٌ بَيْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِي الْأَمْوَالِ وَالْأَوْلَادِ كَمَثَلِ غَيْثٍ أَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهُ ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرَاهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَكُوْنُ حُطَامًا‘۔  
ترجمہ: ”خوب جان لو کہ یہ دنیا کی زندگی اس کے سوا کچھ نہیں کہ ایک کھیل اور دل لگی اور ظاہری ٹیپ ٹاپ اور تمہارا آپس میں ایک دوسرے پر فخر جتنا مال و اولاد میں ایک دوسرے سے بڑھ جانے کی کوشش کرنا ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک بارش ہوگئی تو اس سے پیدا ہونے والی نباتات نے کاشت کاروں کو خوش کر دیا، پھر وہی کھیتی پک جاتی ہے اور تم دیکھتے ہو کہ وہ زرد ہوگئی، پھر وہ بھس بن کر رہ جاتی ہے۔“

عام طور پر اس آیت کا لفظی ترجمہ کر کے ہم آگے گزر جاتے ہیں اور اس بات میں غور و خوض

نہیں کرتے کہ یہاں اللہ تعالیٰ نے پانچ مختلف الفاظ میں انسانی زندگی کے پانچ ادوار بیان کیے ہیں، جنہیں ہم ایک انسان کا علمی یا تریجیاتی ارتقاء بھی کہہ سکتے ہیں۔ ”لَعْب“ پانچ سال سے دس گیارہ سال کی عمر کا دور ہے۔ پھر ”لَهُو“ اٹھارہ انیس سال تک کی عمر کا دور ہے۔ پھر ”زِينَةُ“ اٹھائیس تیس سال تک کا دور ہے۔ پھر ”تَفَاخُرُ“ اڑتیس چالیس سال تک کا دور ہے اور پھر اس کے بعد ”تَكَاثُرُ فِي الْأَمْوَالِ وَالْأَوْلَادِ“ کا دور ہے۔

ذرا غور کیجیے! فرمایا: جان لو! دنیا کی زندگی ”لَعْب“، ”لَهُو“، ”زِينَةُ“، ”تَفَاخُرُ“، اور ”تَكَاثُرُ فِي الْأَمْوَالِ وَالْأَوْلَادِ“ کا نام ہے۔ اب آپ ہر لفظ کو کسی ڈکشنری کی مدد سے دیکھیں کہ ان کے معانی کیا ہیں۔

۱:..... مثلاً پہلا لفظ ہے: ”لَعْب“ المنجد میں اس کا معنی لکھا ہے: بچے کے منہ سے رال ٹپکنا، کھیلنا، ایسا فعل کرنا جس پر کوئی فائدہ مرتب نہ ہو، چنانچہ بچوں کے اکثر افعال ایسے ہی ہوتے ہیں جن پر کوئی فائدہ مرتب نہیں ہوتا، جیسے ریت کے گھر بنانا، کھلونا گاڑیاں چلانا، وغیرہ وغیرہ، تمام کام بالکل فضول اور کھیل برائے کھیل ہوتے ہیں، جن میں کوئی جسمانی لذت بھی نہیں ہوتی، لیکن وہ بچہ انہیں فضول نہیں سمجھتا، اس کے علم اور فکر کے مطابق یہ بہت بڑے کام ہوتے ہیں، چنانچہ اگر کوئی شخص کسی بچے کی گاڑی توڑ دے تو وہ روتا ہے اور اس کو اتنا ہی دکھ ہوتا ہے جتنا دکھ تیس سال کے شخص کو ایک کروڑ کا نقصان ہونے سے ہوگا۔

۲:..... اس کے بعد پھر دوسری سٹیج آتی ہے (نودس سال کے بعد) Teen ager stage کہا جاتا ہے۔ یہ نہایت خطرناک دور ہوتا ہے، یہاں انسان صرف کھیلتا ہی نہیں، بلکہ اب اس کے کھیلوں میں لذت کا حصول بھی شامل ہو جاتا ہے، یہ آوارگیوں کا دور ہوتا ہے، اس عمر میں کھیل برائے کھیل نہیں بلکہ کھیل برائے لذت ہوتا ہے۔ اس کے لیے قرآن نے ”لَهُو“ کا لفظ استعمال کیا جس کا معنی ”المنجد“ میں کھیل، بہلاوا، شغل اور غافل کرنے کی چیز کیا گیا ہے۔

۳:..... اس کے بعد انسان پرتیسرا دور آتا ہے، جسے قرآن نے زینت کے الفاظ سے بیان کیا ہے، اس عمر کے نوجوان خصوصاً لڑکیوں کے ذہن پر جو چیز ہر وقت سوار ہوتی ہے وہ فیشن ہے۔ میں خوبصورت لگوں، خوبصورت پہنوں، بال، چہرہ، لباس، جوتی سمیت ہر چیز خوبصورت ہو۔ گویا ساری سوچ و فکر، احساسات اور نفسیات میں نمایاں چیز یہی زینت ہوتی ہے۔

۴:..... پھر چھبیس ستائیس سال کے بعد زندگی کا وہ دور آتا ہے جس میں انسان ”تَفَاخُرُ“ کا

ترک دنیا کا مطلب اس میں رغبت کا ترک کرنا ہے۔ (حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ)

شکار ہو جاتا ہے، وہ فخریہ طور پر دوسروں سے آگے نکلنے کی کوشش کرتا ہے۔ فخر علم پر بھی ہو سکتا ہے اور مال پر بھی، خوبصورتی پر بھی ہو سکتا ہے اور عبادت پر بھی، اپنے کنبہ قبیلے پر بھی ہو سکتا ہے اور اپنے مسلک و مذہب پر بھی، گویا اس دور میں آدمی ہر حال میں اپنی مونچھ اونچی رکھنے کی کوشش کرتا ہے۔

۵:..... پھر پینتیس چالیس سال کی عمر سے انسانی ذہن کچھلی ساری چیزوں کو فضول سمجھتے ہوئے بس ایک ہی دھن میں لگ جاتا ہے کہ کسی طریقے سے مال زیادہ سے زیادہ جمع ہو جائے، جسے قرآن نے ’نکاح فی الأموال والأولاد‘ سے تعبیر کیا ہے۔ یعنی اس عمر میں آدمی سوچتا ہے کہ مونچھ کھلتی ہے تو کٹ جائے لیکن پیسہ آجائے۔ یاد رہے مذکورہ پانچوں ادوار کے ہر دور میں آدمی اسی دور کو سب سے اعلیٰ، حتمی اور کامل و مکمل سمجھتے ہوئے پاگلوں کی طرح اس کام میں لگا رہتا ہے، نہ کسی سمجھانے والے کی نصیحت کا اثر قبول کرتا ہے اور نہ ہی کوئی ڈر اور دھمکی اس کے آڑے آتی ہے۔

علم اور ترجیحات کے اس ارتقاء سے ہر انسان کا گزر ہوتا ہے، علم، عمر اور مشاہدہ جیسے جیسے بڑھتا ہے انسان کی سوچ میں تبدیلی آتی رہتی ہے، پہلے دو ادوار میں انسان صرف اپنے بارے میں سوچتا ہے۔ تیسرے اور چوتھے دور میں خاندان، پھر برادری اور پھر مسلک اور فرقے کے بارے میں سوچتا ہے۔ لیکن چالیس سال کی عمر میں جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ عقل مکمل ہو جاتی ہے، انسان اپنے سے باہر نکلتا ہے اور پوری قوم، ساری امت اور پھر تمام انسانیت کے بارے میں سوچنا شروع کر دیتا ہے۔ سوچ کا یہ تغیر جتنا جلدی مکمل ہوتا ہے بہتر ہے اپنے لیے بھی اور دوسروں کے لیے بھی۔

آپ زندگی کے جس دور سے بھی گزر رہے ہیں آپ اس دور اور اس سے پہلے کے ادوار کو دیکھیں، یہ حقیقت آپ کو صاف دکھائی دے گی۔ پھر آپ اپنے معاشرے کو دیکھیں، لوگوں کو دیکھیں، تنظیموں اور جماعتوں کو دیکھیں، ان جماعتوں کی عمروں کو دیکھیں، ان کے اندر بھی آپ کو یہی حقیقت نظر آئے گی۔ اگر ایک جماعت کسی وقت اپنی مونچھ اونچی رکھنے کی کوشش کر رہی تھی تو اب تیس چالیس سال کے بعد مفاہمت کی پالیسی پر گامزن ہے تو دوسری جماعت ابھی بھی وہی سوچ رکھتی ہے جو چوبیس پچیس سال کے نوجوان کی ہوتی ہے۔

